باسمہ تعالیٰ

مولانا مودودی

اور

جمہوریت

قیمت ۱۳ پیسے۔

شائع کردہ:۔ ادارۂ طلوع اسلام ۲۵ بی گلبرگ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا مودودی اور جمہوریت

"صحیح حکمت عملی یہ نہیں کہ پہلے سے متعین کرلیا جائے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ حکمت عملی یہ ہے کہ حسب موقع جو صورت اپنے فائدے کی نظر آئے اسے اختیار کرلیا جائے"۔

یہ الفاظ ہیں اٹلی کے مشہور مدبر میکیاوَلی کے، جسے عصر حاضر کی مغربی سیاست کا امام تصور کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس ایک اور سیاست بھی ہے جس کے منشور میں کہا گیا ہے ــــ

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا لَّا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۔ (۶/۱۱۶)۔

تیرے رب کی بات سچائی اور عدل کے ساتھ تکمیل تک پہنچ گئی۔ اب ان باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں۔

یہ اسلام کی سیاست ہے جس کے اصول وقتی مصلحتوں کے تحت بدلتے نہیں۔ وہ ہمیشہ اٹل اور غیر متبدل رہتے ہیں، جماعت اسلامی کے امیر سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کا دعوٰی یہ ہے کہ وہ مغرب کی ابلیسی سیاست کے بجائے اسلامی سیاست کے علمبردار ہیں اور اسی سیاست کو مملکت پاکستان میں قائم کرنا ان کا اور ان کی جماعت کا مشن ہے۔ ہم دیکھنا یہ چاہتے ہیں کہ ان کا یہ دعوٰی کس حد تک صداقت پر مبنی ہے۔ کیا وہ اسلامی سیاست کے نقیب ہیں یا مغرب کی میکیاوَلی سیاست کے علمبردار، جن کے اصول ہر مصلحت کے ساتھ بدلتے چلے جاتے ہیں۔ اس نشست میں ہم ان کی بساطِ سیاست کے صرف ایک گوشے کو سامنے لانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے آج کل ایک مہم شروع کر رکھی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ

نئی مہم (۱) ملک کے ہر بالغ کو رائے دینے کا حق دیا جائے ــ اور

(۲) ملک میں جمہوری نظام قائم کیا جائے۔

شق نمبر ۱ سے مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کا محض بالغ ہو جانا اُسے اس کا حق دار بنا دیتا ہے کہ وہ ملک کے سیاسی معاملات میں اپنی رائے دے سکے۔ اور شق نمبر ۲ کے معنی یہ ہیں کہ اس قسم کے ووٹروں کی کثرت رائے سے جو لوگ پارلیمان کے ممبر

منتخب ہوں انہیں قوم کا نمائندہ سمجھا جائے۔ اور جو فیصلے ان کی اکثریت کرے وہ ملک کا قانون بن جائیں۔ مودودی صاحب کا کہنا یہ ہے کہ اس طریق سے ملک کا نظام اسلامی ہو جائے گا۔ وہ اس سلوگن کو بار بار دہرائے چلے جا رہے ہیں کہ اسلام اور جمہوریت لازم ملزوم ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک جمہوریت اسلام کا غیر متبدل اصول ہے۔ اور اس کے خلاف ہر تصور غیر اسلامی ہے۔ ہم دیکھنا یہ چاہتے ہیں کہ اسی جمہوریت کے متعلق مودودی صاحب اس سے پہلے کیا کہا کرتے تھے۔

واضح رہے کہ اس وقت ہم نہ اس بحث کو چھیڑنا چاہتے ہیں کہ جمہوری نظام کے معنی کیا ہیں، اسلام سے اس کا تعلق کیا ہے، اور صحیح اسلامی نظام کہتے کسے ہیں؟ ہم اس وقت صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مودودی صاحب آج جس چیز کو عین اسلام قرار دے کر عالمگیر مہم چلا رہے ہیں وہ اس کے متعلق ابھی کل تک کیا فرمایا کرتے تھے؟

تحریک پاکستان کے دوران میں صورت حال یہ تھی کہ قائد اعظمؒ کی قیادت میں مسلم لیگ کا مطالبہ یہ تھا کہ ہندوستان کے جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے انہیں ہندوستان سے الگ کر دیا جائے تاکہ وہاں مسلمان اپنے نظریۂ زندگی کے مطابق اسلامی انداز کی حکومت قائم کرنے کے قابل ہو سکیں۔ ہندوؤں کی کوشش یہ تھی کہ مسلمانوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو مسلم لیگ سے الگ کرکے دنیا پر اس حقیقت کو واضح کر دیا جائے کہ مسلمانوں کی اکثریت اس مطالبہ کے ہمنوا نہیں۔ انہیں اس مذموم کوشش میں ناکامی ہوئی اور مسلمانوں کی بہت بھاری اکثریت اس مطالبہ کی تائید کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ مودودی صاحب آگے بڑھے اور انہوں نے ہندوؤں سے کہا کہ تم اس صورت حالات سے گھبراؤ نہیں۔ اگر مسلمانوں کی اکثریت اس مطالبہ کے ہمنوا ہے تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ میں ابھی یہ واضح کئے دیتا ہوں کہ ان مسلمانوں کی حیثیت کیا ہے اور اسلام کی رُو سے اس دعوٰی کی حقیقت کیا کہ اکثریت کا مطالبہ بالضرور مان لینے کے قابل ہوتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے وہاں اپنی اس مہم کو جاری کیا کہ اکثریت کا فیصلہ کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ ذرا غور سے سنئے کہ وہ اس باب میں کیا کہتے تھے اور اس طرح ہندوؤں کو وہ کس طرح تقویت پہنچاتے چلے جا رہے تھے۔ انہوں نے اپنے سلسلۂ مضامین بہ عنوان "سیاسی کشمکش" میں لکھا[1]۔

مسلم اکثریت پر حملہ ایک قوم کے تمام افراد کو محض اس وجہ سے کہ وہ نسلاً مسلمان ہیں، حقیقی معنی میں مسلمان فرض کرلینا اور یہ امید رکھنا کہ ان کے اجتماع سے جو کام بھی ہوگا اسلامی اصول ہی پر ہوگا پہلی اور بنیادی غلطی ہے۔ یہ انبوہِ عظیم جس کو مسلمان قوم کہا جاتا ہے، اس کا حال یہ ہے کہ اس کے ۹۹۹ فی ہزار افراد نہ اسلام کا علم رکھتے ہیں نہ حق اور باطل کی تمیز سے آشنا ہیں۔ نہ ان کا

---

[1] یہ مضامین بعد میں مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش کے عنوان سے تین حصوں میں شائع کئے گئے تھے۔

اخلاقی نقطۂ نظر اور ذہنی رویہ اسلام کے مطابق تبدیل ہوا ہے۔ باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے کو بس مسلمان کا نام ملتا چلا آ رہا ہے اس لئے یہ مسلمان ہیں۔ نہ انہوں نے حق کو حق جان کر قبول کیا ہے نہ باطل کو باطل جان کر اسے ترک کیا ہے۔ ان کی کثرت رائے کے ہاتھ میں باگیں دے کر اگر کوئی شخص یہ امید رکھتا ہے کہ گاڑی اسلام کے راستے پر چلے گی تو اس کی خوش فہمی قابلِ داد ہے۔

(ترجمان القرآن محرم ۱۳۶۰ھ ص۳۰)

اس کے بعد انہوں نے یہ لکھا کہ مسلم لیگ والے جو یہ کہتے ہیں کہ جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہو گی وہاں ہم اسلامی انداز کی حکومت قائم کرنے کے قابل ہو سکیں گے، بہت بڑے فریب پر مبنی ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

اسلامی نصب العین ناممکن ہو گا

اسکے بعد اس طریقہ کا جائزہ لیجئے جس سے یہ بزعم خود اسلامی نصب العین تک پہنچنے کی امید رکھتے ہیں انکی تجویز یہ ہے کہ پہلے اسی جمہوری دستور کے مطابق جو انگریزی حکومت یہاں نافذ کرنا چاہتی ہے، مسلم اکثریت کے صوبوں میں مسلمانوں کی اپنی حکومت قائم ہو جائے، پھر کوشش کی جائے گی کہ یہ قومی حکومت اسلامی نظام حکومت میں بتدریج تبدیل ہو جائے۔ لیکن یہ ویسی ہی غلطی ہے جیسی آزادیٔ ہند کو مقدم رکھنے والے حضرات کر رہے ہیں۔ ان کی تجویز پر جو اعتراضات ہیں بعینہٖ وہی اعتراضات ان کی تجویز پر بھی ہیں۔ ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں حکومتِ جمہور کے اصول پر خود مختار حکومت کا قیام آخر کار حاکمیت رب العالمین کے قیام میں مددگار ہو سکتا ہے۔ (ایضاً ص۲۷)

ٹ " اس موقع پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ مسلم لیگ کے کسی ریزولیوشن اور لیگ کے ذمہ دار لیڈروں میں سے کسی کی تقریر میں آج تک یہ بات واضح نہیں کی گئی کہ ان کا آخری مطمح نظر پاکستان میں اسلامی نظام حکومت قائم کرنا ہے۔ برعکس اس کے ان کی طرف سے بصراحت اور بتکرار جس چیز کا اظہار کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ان کے پیش نظر محض ایک ایسی جمہوری حکومت ہے جس میں دوسری غیر مسلم قومیں بھی حصہ دار ہوں مگر اکثریت کے حق کی بنا پر مسلمانوں کا حصہ غالب ہو۔ بالفاظ دیگر ان کو مطمئن کرنے کے لئے صرف اتنی بات کافی ہے کہ ہندو اکثریت کے تسلط سے وہ صوبے آزاد ہو جائیں جہاں مسلمانوں کی کثرت ہے باقی رہا نظام حکومت تو وہ پاکستان میں بھی ویسا ہی ہو گا جیسا ہندوستان میں ہو گا۔ ان کے اس نصب العین پر جب یہ اعتراض کیا گیا کہ مسلمانوں کی کافرانہ حکومت اسلامی نقطۂ نظر سے غیر مسلموں کی کافرانہ حکومت کے مقابلہ میں کچھ بھی قابلِ ترجیح نہیں ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ قابلِ لعنت ہے تو ذمہ دار لیڈروں میں سے تو کسی نے اس کا جواب نہ دیا، البتہ جو لوگ پاکستانی حلقوں کی صفِ آخر میں شمار ہوتے ہیں اور جن کی کوئی ذمہ دار حیثیت نہیں ہے انہوں نے کہنا شروع کیا کہ مسلم اکثریت کو جب خود اختیاری حاصل ہو جائے گی تب ہم نظام حکومت کو بدلنے کی کوشش کریں گے۔"

(ایضاً ص۱۰)

اس کے نیچے انہوں نے فٹ نوٹ میں لکھا تھا کہ" پاکستان میں مسلمانوں کی کافرانہ حکومت اسلامی نقطۂ نظر سے غیر مسلموں کی کافرانہ حکومت کے مقابلے میں کچھ بھی قابلِ ترجیح نہیں ہو گی۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ قابلِ لعنت (ہو گی)"۔

مسلم سوسائٹی یا چڑیا گھر

وہ ان مسلمانوں کو نا مسلم ہی نہیں بلکہ جانور کہتے تھے۔ ان کے الفاظ یہ تھے۔

غرض آپ اس نام نہاد مسلم سوسائٹی کا جائزہ لیں گے تو اس میں آپ کو بھانت بھانت کا مسلمان نظر آئے گا۔ مسلمان کی اتنی قسمیں ملیں گی کہ آپ شمار نہ کر سکیں گے۔ یہ ایک چڑیا گھر ہے جس میں چیل۔ کوّے۔ گدھ۔ بیر۔ تیتر اور ہزاروں قسم کے جانور جمع ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک "چڑیا" ہے کیونکہ چڑیا گھر میں داخل ہے۔ (ترجمان القرآن۔ ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ ص۲۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ میری امت کا سواد اعظم کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہو گا۔ تم اس کا ساتھ دو۔ جب کسی نے مودودی صاحب کی توجہ اس حدیث کی طرف منعطف کرائی تو انہوں نے جواب میں کہا۔

سوادِ اعظم کا مفہوم

بعض لوگ اس دھوکے میں مبتلا ہیں کہ مسلمانوں کی اکثریت کا نام "سوادِ اعظم" ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے کہ "سوادِ اعظم" کا ہمیشہ ساتھ دو۔ لہذا مسلمانوں کی اکثریت جس سیاسی پارٹی کی حامی اور جس قیادت کی متبع ہے اس کے ساتھ رہنا ضروری ہے۔ لیکن یہ ارشادِ نبویؐ کی سراسر غلط تعبیر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس سوادِ اعظم کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے اس سے مراد دراصل ان مسلمانوں کی اکثریت ہے جن کے اندر اسلامی شعور موجود ہو۔ جو حق اور باطل کی تمیز رکھتے ہوں اور جن کو اسلام کی روح اور اس کے بنیادی اصولوں سے کم از کم اتنی واقفیت ہو کہ اسلام اور غیر اسلام میں فرق کر سکتے ہوں۔ ایسے مسلمانوں کی اکثریت کبھی باطل پر مجتمع نہیں ہو سکتی۔ اور اگر وہ کبھی کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو بھی جائے تو اس پر زیادہ دیر تک جمی نہیں رہ سکتی۔ اس بنا پر حضورؐ نے سوادِ اعظم کا ساتھ دینے کی تاکید فرمائی ہے مگر جو لوگ ان ضروری صفات سے عاری ہیں اور جن میں کھرے اور کھوٹے کی بالکل ابتدائی پرکھ بھی نہ ہو، ان کے ہلڑ کا نام ہرگز اسلامی سوادِ اعظم نہیں ہے۔ نہ ان کی جماعت اسلامی مفہوم کے اعتبار سے جماعت ہے نہ ان کی امارت اسلامی اصطلاح کی رُو سے امارت ہے نہ ان کی اس امارت کو کسی حیثیت سے سمع و طاعت کا حق پہنچتا ہے۔ محض لفظ مسلمان سے دھوکا کھا کر جو لوگ جاہلیت کی پیروی کرنے والوں کی تنظیم کو تنظیم سمجھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس نوعیت کی کوئی تنظیم اسلامی نقطۂ نظر سے مفید ثابت ہو گی ان کی کُند ذہنی ماتم کی مستحق ہے۔ (ترجمان القرآن بابت ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ ص۷۲)

محض مردم شماری کے رجسٹروں میں

اسی رسالے میں انہوں نے لکھا۔
"ان وجوہ سے وہ عظیم الشان تعداد جو ہم کو مردم شماری کے رجسٹروں میں نظر آتی ہے، اسلامی اغراض کے لئے قریب قریب بالکل بیکار ہو چکی ہے۔ اس تعداد کے بھروسہ پر اگر کچھ کیا جائے گا تو سخت مایوسی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ جو اُمید وابستہ کی جا سکتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ اگر اسلام از سرِ نو ایک زندہ تحریک کی حیثیت سے اُٹھے اور شیطانی قوتوں کے مقابلہ میں اپنے اصول کی حکمرانی و فرماں روائی قائم کرنے کے لئے برسرِ پیکار ہو تو شاید غیر مسلموں کی بہ نسبت ان مسلمانوں میں سے اس کو کچھ زیادہ والینٹر نسبتاً زیادہ آسانی کے ساتھ مل سکیں گے۔"

(ایضاً صفحہ ۵)

اس قسم کے مسلمانوں کی آراء سے جس قسم کے ممبر منتخب ہوں گے اور یہ ممبر جس قسم کی حکومت قائم کر سکیں گے اس کے متعلق انہوں نے کہا۔

مسلم اکثریت کی کافرانہ حکومت

جہاں ایسے لوگوں کی اکثریت ہو وہاں کبھی یہ امید نہیں کیجا سکتی کہ عام انتخاب میں انکے ووٹوں سے وہ صالحین منتخب ہونگے جو منہاج نبوت پر حکومت کرنے والے ہوں۔ جمہوری انتخاب کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے دودھ کو بلو کر مکھن نکالا جاتا ہے۔ اگر دودھ زہریلا ہو تو اس سے جو مکھن نکلے گا قدرتی بات ہے کہ وہ دودھ سے زیادہ زہریلا ہوگا۔ اسی طرح اگر سوسائٹی بگڑی ہوئی ہو تو اس کے ووٹوں سے وہی لوگ منتخب ہو کر برسرِ اقتدار آئیں گے جو اس سوسائٹی کی خواہشاتِ نفس سے سندِ قبولیت حاصل کر سکیں گے۔ پس جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر مسلم اکثریت کے علاقے ہندو اکثریت کے تسلط سے آزاد ہو جائیں اور یہاں جمہوری نظام قائم ہو جائے تو اس طرح حکومت الٰہی قائم ہو جائے گی ان کا گمان غلط ہے۔ دراصل اس کے نتیجے میں جو کچھ حاصل ہوگا وہ صرف مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی۔ اس کا نام حکومت الٰہی رکھنا اس پاک نام کو ذلیل کرنا ہے۔"

(ترجمان القرآن محرم سنہ ۱۳۶۰ھ صفحہ ۲۹)

آپ نے غور فرمایا کہ اس وقت مودودی صاحب جمہوری نظام کے متعلق کیا فرماتے تھے۔ وہ فرماتے یہ تھے کہ "اس کے نتیجے میں جو کچھ حاصل ہوگا وہ صرف مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی "۔ اور سنئے! اسی پرچے میں آگے چل کر وہ لکھتے ہیں۔

جمہوری اسٹیٹ اسلام کے منافی ہوگا

اب میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ جو قومی اسٹیٹ جمہوری طرز پر تعمیر ہوگا وہ اس بنیادی اصلاح میں آخر کس طرح مددگار ہو سکتا ہے۔ جمہوری حکومت میں اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں آئیگا جن کو ووٹروں

کی پسندیدگی حاصل ہو۔ ووٹروں میں اگر اسلامی ذہنیت اور اسلامی فکر نہیں ہے، اگر وہ صحیح اسلامی کیریکٹر کے عاشق نہیں ہیں، اگر وہ اس بے لاگ عدل اور ان بے لچک اصولوں کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں جن پر اسلامی حکومت چلائی جاتی ہے تو ان کے ووٹوں سے کبھی "مسلمان" قسم کے آدمی منتخب ہو کر پارلیمنٹ یا اسمبلی میں نہیں آ سکتے۔ اس ذریعہ سے تو اقتدار انہی لوگوں کو ملے گا جو مردم شماری کے رجسٹر میں چاہے مسلمان ہوں مگر اپنے نظریات اور طریقِ کار کے اعتبار سے جن کو اسلام کی ہوا بھی نہ لگی ہو۔"

(ایضاً صفحہ ۶)

وہ ان مسلمانوں کے متعلق جن کے جمہوری نظام سے پاکستان میں آزاد حکومت قائم ہونی تھی کہتے تھے۔

کافر ٹائپ مسلمان

"یہاں جس قوم کا نام مسلمان ہے وہ ہر قسم کے رطب ویابس لوگوں سے بھری ہوئی ہے، کیریکٹر کے اعتبار سے جتنے ٹائپ کافر قوموں میں پائے جاتے ہیں اتنے ہی اس قوم میں بھی موجود ہیں۔ عدالتوں میں جھوٹی گواہیاں دینے والے جس قدر کافر قومیں فراہم کرتی ہیں غالباً اسی تناسب سے یہ بھی فراہم کرتی ہے۔ رشوت۔ چوری۔ زنا۔ جھوٹ۔ اور دوسرے تمام ذمائم اخلاق میں یہ کفار سے کچھ کم نہیں ہے۔ پیٹ بھرنے اور دولت کمانے کے لئے جو تدبیریں کفار کرتے ہیں وہی اس قوم کے لوگ بھی کرتے ہیں۔ ایک مسلمان وکیل جان بوجھ کر حق کے خلاف اپنے موکل کی پیروی کرتے ہوئے اتنا ہی خدا کے خوف سے خالی ہوتا ہے جتنا ایک غیر مسلم وکیل ہوتا ہے۔ ایک مسلمان رئیس دولت پا کر یا ایک مسلمان عہدہ دار حکومت پا کر وہی سب کچھ کرتا ہے جو غیر مسلم کرتا ہے۔ یہ اخلاقی حالت جس قوم کی ہو اس کی تمام کالی اور سفید بھیڑوں کو جمع کر کے ایک منظم گلہ بنا دینا اور سیاسی تربیت سے ان کو لومڑی کی ہوشیاری سکھانا یا فوجی تربیت سے ان میں بھیڑیئے کی درندگی پیدا کرنا، جنگل کی فرماں روائی حاصل کرنے کے لئے تو ضرور مفید ہو سکتا ہے۔ مگر میں نہیں سمجھتا کہ اس سے اعلائے کلمۃ اللہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ کون ان کی اخلاقی برتری تسلیم کرے گا۔ کس کی نگاہیں اس کے سامنے عزت سے جھکیں گی۔ کس کے دل میں انہیں دیکھ کر اسلام کے لئے احترام کا جذبہ پیدا ہوگا؟ کہاں ان کے "انفاس قدسیہ" سے یدخلون فی دین اللہ افواجا کا منظر دکھائی دے سکے گا۔ کس جگہ ان کی روحانی امامت کا سکہ جمے گا۔ اور زمین پر بسنے والے کہاں ان کا خیر مقدم اپنے نجات دہندوں کی حیثیت سے کریں گے؟ اعلائے کلمۃ اللہ جس چیز کا نام ہے اس کے لئے تو صرف ان کارکنوں کی ضرورت ہے جو خدا سے ڈرنے والے اور خدا کے قانون پر فائدہ و نقصان کی پروا کئے بغیر جمنے والے ہوں۔ خواہ وہ اس نسلی مسلمان قوم میں سے

ملیں یا کسی دوسری قوم سے بھرتی ہو کر آئیں۔ ایسے دس آدمی اس مقصد کے لئے زیادہ قیمتی ہیں بہ نسبت اس کے کہ وہ انبوہ جس کا میں اوپر ذکر کر آیا ہوں' ۲۵ لاکھ یا پچاس لاکھ کی تعداد میں بھرتی ہو جائے اسلام کو تانبے کے ان سکوں کا خزانہ مطلوب نہیں ہے جن پر اشرفی کا ٹھپہ لگایا گیا ہو۔ وہ سکّے کے نقوش دیکھنے سے پہلے یہ دریافت کرتا ہے کہ ان نقوش کے نیچے خالص سونے کا جوہر بھی ہے یا نہیں ایسا سکہ ان جعلی اشرفیوں کے ڈھیر سے اس کے نزدیک زیادہ قیمتی ہے۔ (ایضاً ص۶۶)

وہ برملا کہتے تھے کہ کثرت وقلت" کا سوال بہت بڑا مغالطہ ہے۔ اس لئے کہ

کثرت وقلت مغالطہ ہے

جو جماعتیں کسی طاقتور نظریہ اور جاندار اجتماعی فلسفہ کو لے کر اٹھتی ہیں وہ ہمیشہ قلیل التعداد ہی ہوتی ہیں اور قلت تعداد کے باوجود بڑی بڑی اکثریتوں پر حکومت کرتی ہیں۔ روسی کمیونسٹ پارٹی کے ارکان کی تعداد اسوقت صرف ۳۲ لاکھ ہے اور انقلاب کے وقت اس سے بہت کم تھی مگر اس نے ۱۷ کروڑ انسانوں کو مسخر کرلیا۔ مسولینی کی فاشسٹ پارٹی صرف ۴ لاکھ ارکان پرمشتمل ہے اور روم پر مارچ کرتے وقت ۳ لاکھ تھی۔ مگر یہ قلیل تعداد ساڑھے چار کروڑ اطالوی باشندوں پر چھا گئی۔ یہی حال جرمنی کی نازی پارٹی کا ہے۔ اگر قدیم زمانے کی مثالیں خود اسلامی تاریخ سے دی جائیں تو ان کو یہ کہہ کر ٹالا جا سکتا ہے کہ وہ زمانہ گزر گیا اور وہ حالات بدل گئے۔ لیکن یہ تازہ مثالیں آپ کے اسی زمانہ کی موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قلت آج بھی حکمران بن سکتی ہے بشرطیکہ وہ اسی طرح مجاہدہ کرے جس طرح ایک اصول اور ایک مسلک رکھنے والی جماعت کیا کرتی ہے۔ اور محدود اغراض کے لئے لڑنے کے بجائے ایسے اصولوں کے لئے لڑے جو لوگوں کی زندگی کے مسائل کو حل کرنے والے، دلوں اور دماغوں کو اپیل کرنے والے اور انسانی توجہات کو اس جماعت کی طرف کھینچنے والے ہوں۔

(ترجمان القرآن۔ ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ ص۴۸)

تصریحاتِ بالا سے آپ نے دیکھ لیا ہو گا کہ تشکیلِ پاکستان سے پہلے مودودی صاحب کا اعلان یہ تھا کہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے

(۱) موجودہ پیدائشی مسلمان بالکل بیکار ہیں۔

(۲) ان کی اکثریت کی آراء سے جو جمہوری نظام قائم ہو گا وہ کبھی اسلامی نہیں ہو سکتا۔

پاکستان وجود میں آگیا۔ اور وہی مسلمان جن کے متعلق مودودی صاحب کے ارشادات آپ ابھی ابھی دیکھ چکے ہیں سمٹ کر اس خطۂ زمین میں آبسے تو مودودی صاحب نے ترجمان القرآن کے سب سے پہلے پرچے میں جو یہاں آکر شائع ہوا تحریر فرمایا کہ

نئی قلابازیاں

اس ملک کی اکثریت ایمانداری کے ساتھ یہ رائے رکھتی ہے کہ اسلام کے اصولوں کی پیروی میں پاکستان کے باشندوں کی فلاح ہے۔ اس کو یہ حق حاصل ہونا چاہیئے کہ ملک کا نظام اس کی رائے کے مطابق بنے۔ (ترجمان القرآن جون ۴۸ء ص۵۸)

یہ جون ۱۹۴۸ء کا قصہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ وہی "مردم شماری کے رجسٹر کے پیدائشی مسلمان" تھے جن کے متعلق واہگہ سے اس پار تک مودودی صاحب چلا چلا کر کہہ رہے تھے کہ یہ بے ایمان ہیں، منافق ہیں، بدکردار ہیں، ان کی کثرت رائے سے جو حکومت قائم ہو گی وہ مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہو گی بلکہ اس سے بھی بدتر۔ دنیا حیران تھی کہ انہی مسلمانوں کے متعلق اتنی جلدی مودودی صاحب کی رائے میں ایسا انقلاب کیوں آگیا، لیکن اس "کیوں" کا جواب تلاش کرنا کچھ بھی مشکل نہیں تھا۔ مودودی صاحب نے پہلا رد یہ رکھا کہ پاکستان کے مسلمانوں کی اکثریت یہاں اسلامی نظام قائم کرنا چاہتی ہے۔ اور اسلامی نظام اور کوئی قائم نہیں کرسکتا۔ اس لئے ملک کا اقتدار ہمارے حوالے کردو۔ خود انہی حضرات کے الفاظ ملاحظہ فرمایئے انہوں نے جولائی ۱۹۴۸ء میں تحریر فرمایا۔

مسلم عوام کے متعلق نئی رائے

"اس وقت ہمارے سامنے ایک بہت بڑے کام کا پروگرام ہے ہمیں پاکستان میں اسلام کی حکومت قائم کرنی ہے اور یہ کام بہت بڑی جدوجہد کا مطالبہ کرتا ہے۔ ۱۵۔ اگست ۱۹۴۷ء کے بعد ہمارے ملک کی صورتِ حال بالکل بدل گئی ہے۔ اب اس ملک کے لوگ اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے میں پوری طرح مختار ہیں۔ یہاں کے باشندوں کو اب یہ طے کرنا ہے کہ وہ اپنے لئے کس طریق زندگی کو، کس اصول اخلاق کو اور کس نظام حکومت کو پسند کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ عنقریب دیکھیں گے کہ اس ملک میں ایک شدید کشمکش برپا ہونے والی ہے۔ ایک طرف نام نہاد مدعیانِ اسلام ہیں جن کو صرف اسلام کا نام باپ دادا سے ورثہ میں ملا ہے۔ لیکن اس کو طریقِ زندگی کی حیثیت سے انہوں نے نہ قبول کیا ہے نہ قبول کرنے پر تیار ہیں۔ اسلام کے نام پر جو حقوق حاصل ہو سکتے ہیں انہیں تو وہ حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن جن پابندیوں کا اسلام مطالبہ کرتا ہے۔ ان سے وہ خود بھی آزاد رہنا چاہتے ہیں اور ملک کو بھی آزاد رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ مسلمانوں کے اوپر کافرانہ حکومت قائم کرنے اور کافرانہ قوانین جاری کرنے کے ارادہ رکھتے ہیں۔ دوسری طرف ان کے مقابلہ میں وہ سب لوگ ہیں جو اسلام کو اپنے طریقِ زندگی کی حیثیت سے پسند کرتے ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ اس ملک میں اسلام کی حکومت قائم ہو۔ اور اسلام کا قانون جاری ہو۔

ان دونوں طاقتوں کے درمیان عنقریب ایک کشمکش رونما ہونے والی ہے۔

(ترجمان القرآن جولائی سنہ ۱۹۴۸ء صفحہ ۲۴)

اور سنئے! آپ دیکھ چکے ہیں کہ جمہوریت کے متعلق مودودی صاحب کی رائے کیا تھی۔ یہاں پہنچتے ہی انہوں نے فرمایا۔

یہ دور چونکہ جمہوریت کا ہے اس لئے حکومت کے ملک کا انحصار عوام کی رائے پر ہوگا۔

(ترجمان القرآن جولائی سنہ ۱۹۴۸ء صفحہ ۲۵)

جب مودودی صاحب سے یہ کہا گیا کہ آپ ہندوستان میں کل تک یہ فرماتے تھے کہ صحیح اسلامی نظام قائم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کے قلب و دماغ میں اسلامی انقلاب پیدا کیا جائے لیکن اب آپ یہ فرماتے ہیں کہ جس قسم کے بھی یہ لوگ ہیں، انہی کی کثرتِ رائے سے حکومت قائم کر لی جائے تو آپ اصلاحِ خلق کا جو پروگرام لے کر اٹھے تھے وہ پروگرام کس طرح پورا ہوگا؟ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا۔

پائے اقتدار "اصلاحِ خلق کی کوئی اسکیم بھی حکومت کے اختیارات پر قبضہ کئے بغیر نہیں چل سکتی۔ جو کوئی حقیقت میں خدا کی زمین سے فتنہ فساد کو مٹانا چاہتا ہو اور واقعی یہ چاہتا ہو کہ خلقِ خدا کی اصلاح ہو تو اس کے لئے محض واعظ اور ناصح ہو کر کام کرنا فضول ہے۔ اس کیلئے اٹھنا چاہیئے۔ اور غلط اصول کی حکومت کا خاتمہ کر کے، غلط کار لوگوں کے ہاتھ سے اقتدار چھین کر، صحیح اصول اور صحیح طریقے کی حکومت قائم کرنی چاہیئے۔ (خطبات صفحہ ۲۳۱)

انہوں نے کہا کہ ہم پر جہاد فرض ہے اور جہاد کے معنی یہ ہیں کہ حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی جائے۔ چنانچہ

اقتدار چھین لو اسلام کی نگاہ میں یہ بات ہرگز کافی نہیں ہے کہ تم نے خدا کو خدا، اور اس کے قانون کو قانونِ برحق مان لیا۔ نہیں اس کو ماننے کے ساتھ ہی آپ سے آپ یہ فرض تم پر عائد ہو جاتا ہے کہ جہاں بھی تم ہو، جس سرزمین میں تمہاری سکونت ہو وہاں خلقِ خدا کی اصلاح کے لئے اٹھو، حکومت کے غلط اصول کو صحیح اصول سے بدلنے کی کوشش کرو۔ ناخداترس اور شتر بے مہار قسم کے لوگوں سے قانون سازی اور فرماں روائی کا اقتدار چھین لو اور بندگانِ خدا کی سربراہ کاری اپنے ہاتھ میں لے کر خدا کے قانون کے مطابق آخرت کی ذمہ داری و جواب دہی کا اور خدا کے عالم الغیب ہونے کا یقین رکھتے ہوئے حکومت کے معاملات انجام دو۔ اسی کوشش اور اسی جدوجہد کا نام جہاد ہے"

(ایضاً صفحہ ۲۳۳)

ہمارے خدا نے ہمیں بہت پہلے کہہ دیا تھا کہ

"تم روئے زمین پر خدا کے سب سے زیادہ صالح بندے ہوئے۔ لہذا آگے بڑھو۔ لڑ کر خدا کے

باغیوں کو حکومت سے بیدخل کر دو اور حکمرانی کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لو۔

(ایضاً صفحہ ۲۳۵)

مودودی صاحب ابھی کل تک یہ کہتے چلے آ رہے تھے کہ

اپنے منہ میاں مٹھو اسوقت ہندوستان میں مسلمانوں کی جو مختلف جماعتیں اسلام کے نام سے کام کر رہی ہیں اگر فی الواقعہ اسلام کے معیار پر ان کے نظریات، مقاصد اور کارناموں کو پرکھا جائے تو سب کی سب جنسِ کاسد نکلیں گی۔ (ترجمان القرآن۔ ذی الحجہ سنہ ۱۳۵۹ھ صفحہ ۵۴)

اور اب ان کی جماعت کی طرف سے یہ کہا جا رہا تھا۔

آپ ہمارا ساتھ دیجئے "میں مسلمانوں کے تمام گروہوں سے کہتا ہوں کہ یہاں شخصیتوں اور گروہوں کا سوال نہیں۔ بلکہ ہم سب خدا کے سامنے جوابدہ ہیں۔ اگر ہمارے ہاتھوں سے یا ہماری نگاہوں کے سامنے یہاں غیر اسلامی نظام قائم ہو گیا تو ہم سب اس کی عدالت میں پکڑے جائیں گے۔ اس لئے آپ اپنے سارے اختلافات کو بھول جائیے۔ آپ اگر آرام سے بیٹھے رہے تو یہ کام نہیں ہو سکے گا۔ اس مطالبہ کو منوانے کیلئے تمام ضروری تدابیر اختیار کیجئے اور آپ کو خوب معلوم ہے کہ کسی مطالبہ کو منوانے کیلئے کیا کیا تدابیر اختیار کیجاتی ہیں۔ ابھی ابھی آپ نے پاکستان کا مطالبہ منوا کر جو تجربہ کیا ہے اس سے فائدہ اٹھائیے اور جن صحیح اور موثر تدابیر کو آپ نے اس مطالبہ کو منوانے میں استعمال کیا ہے ان سب کو نظام اسلامی کے مطالبہ کے لئے بھی اختیار کیجئے۔ یہ مطالبہ بھی مخلصانہ کوشش چاہتا ہے، یہ بھی منظم اور متحد طاقت چاہتا ہے اور یہ بھی مال اور وقت اور آرام کی قربانیاں چاہتا ہے۔ اگر ان شرائط کو پورا کر کے آپ یہ ثابت کر دیں کہ یہ قوم کا اجتماعی مطالبہ ہے تو کس طرح ممکن ہے کہ آپ کے لیڈر اس کے خلاف جائیں۔ آپ اس کے لئے جلسے کیجئے اس کے لئے ریزولیوشن پاس کیجئے۔ اس کیلئے پوسٹر آویزاں کیجئے۔ اس کو ریل کے ڈبوں اور موٹر بسوں میں لکھوائیے اسے اپنی خط و کتابت کے کارڈوں اور لفافوں پر طبع کرائیے تاکہ اس مطالبے کے چار نکات آپ کے بچے بچے کی زبان پر ہوں۔ (ترجمان القرآن۔ جون سنہ ۱۹۴۹ء صفحہ ۲۲)

آپ نے دیکھا کہ پاکستان میں اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے عوام کو کس طرح اپنے پیچھے لگانے کی مہم شروع کر دی گئی۔

جمہوری طریقے سے برسر اقتدار آنے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ

(۱) اپنی جداگانہ پارٹی بنائی جائے۔

(۲) اور جب یہ دیکھا جائے کہ اس پارٹی کا اثر کافی حد تک بڑھ چکا ہے تو پھر انتخاب لڑا جائے۔

(۳) اس انتخاب کی رُو سے پارلیمان میں اپنی اکثریت پیدا کی جائے۔

(۴) اس طرح یہ اکثریت اپنی حکومت قائم کرلے۔

اب آپ یہ دیکھئے کہ ان شقوں کے متعلق مودودی صاحب کا پہلے فیصلہ کیا تھا اور اب انہوں نے کس طرح چولا بدلا تھا۔ جب قائداعظمؒ نے ۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ کی تنظیم نَو سے اُسے ایک مستحکم جماعت کی شکل دی تو مودودی صاحب نے ارشاد فرمایا کہ اسلام میں الگ جماعتیں بنانا قطعاً جائز نہیں۔ چنانچہ انہوں نے فروری ۱۹۳۸ء کے رسالہ "پیغام حق" میں ایک طویل مقالہ لکھا جس میں انہوں نے کہا کہ —

الگ جماعت کی تشکیل غلطی ہے یہ قوم تو پہلے ہی ایک جمعیت ہے۔ اس جمعیت کے اندر کوئی الگ جمعیت الگ نام سے بنانا اور مسلمان اور مسلمان کے درمیان کسی وردی یا کسی ظاہری علامت یا کسی خاص نام یا کسی خاص مسلک سے فرق و امتیاز پیدا کرنا اور مسلمانوں کو مختلف پارٹیوں میں تقسیم کرکے ان کے اندر جماعتیں اور فرقوں کی عصبیتیں پیدا کرنا دراصل مسلمانوں کو مضبوط کرنا نہیں ہے بلکہ ان کو اور کمزور کرنا ہے۔ یہ تنظیم نہیں تفرقہ پردازی اور گروہ بندی ہے۔ لوگوں نے آنکھیں بند کرکے جمعیت سازی کے یہ طریقے اہلِ مغرب سے لئے ہیں۔ مگر ان کو معلوم نہیں کہ جو چیزیں دوسروں کے مزاج کو موافق آتی ہیں وہ مسلمانوں کے مزاج کو موافق نہیں آتیں۔ (پیغام حق۔ فروری ۳۸ء صفحہ ۹۲)

اُس وقت وہ اسلام تھا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی پارٹی بنائی اور نہ صرف یہ کہ اس خلافِ اسلام اقدام کے خلاف مودودی صاحب کو کسی قسم کی خفت محسوس ہوئی انہوں نے اس پارٹی کا نام ہی جماعت اسلامی رکھا۔ پاکستان آنے کے بعد ابتدا میں انہیں اس کا خیال نہ تھا کہ انہیں پارلیمان میں الگ پارٹی بنانے کی ضرورت ہو گی۔ اس لئے انھوں نے اپنی دستوری تجاویز میں یہ لکھا کہ

اسمبلی میں پارٹی کا قیام ممنوع مجالسِ قانون ساز میں پارٹیاں بنانا ازروئے دستور ممنوع ہونا چاہیئے۔

(دستوری تجاویز صفحہ ۱۴)

لیکن اب ان کے اسلام نے ان کے کان میں کچھ اور پھونکا ہے جس کی رُو سے

پارلیمانی پارٹی جائز جماعت اسلامی نے قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں اپنی پارلیمانی پارٹی بنانے کا فیصلہ کیا ہے معلوم ہوا ہے کہ جماعت اسلامی کی مجلسِ شوریٰ کے اجلاس میں یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے افراد کو ہر اسمبلی میں پارلیمانی پارٹی قائم کرنے کی ہدایت کی جائے۔ (کوہستان ۱۰۔ اگست ۶۲ء)

اتنا ہی نہیں بلکہ انہوں نے اگست ۱۹۶۲ء میں راولپنڈی کی پریس کلب میں یہ بھی کہا کہ

تعاون کی پیشکش جماعت کسی بھی ایسی پارٹی کے ساتھ تعاون کے لئے تیار ہے جو ملک کی خدمت کرنا چاہتی ہے جماعت کو دوسری سیاسی جماعتوں سے کوئی کد نہیں ہے۔ آپ نے مزید کہا کہ پہلے ان جماعتوں کا وجود میں آنا ضروری ہے۔ (نوائے وقت ۲۸۔ اگست ۱۹۶۲ء)

اب دیکھئے انتخابات کے متعلق!

یہ آپ اوپر دیکھ چکے ہیں کہ مودودی صاحب نے پہلے یہ بھی کہا تھا کہ اس قسم کے مسلمانوں کی آراء سے کبھی صحیح اسلامی نظام قائم نہیں ہو سکتا۔ پاکستان بننے کے بعد پہلے انتخابات ۱۹۵۰-۵۱ء میں منعقد ہوئے۔ اُس وقت مودودی صاحب کو معلوم تھا کہ ان کی جماعت کو انتخابات میں کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا انہوں نے یہ اعلان فرمایا کہ انتخابات میں شرکت ہی سرے سے خلافِ اسلام ہے۔ چنانچہ انہوں نے اعلان فرمایا کہ

ناپاک طریقِ انتخاب اب ہم کو اس امر میں کوئی شک نہیں رہا ہے کہ ہماری اجتماعی زندگی اور قومی سیاست کو جن چیزوں نے سب سے بڑھ کر گندا کیا ہے ان میں سے ایک امیدواری اور پارٹی ٹکٹ کا طریقہ ہے۔ اسی بنا پر جماعتِ اسلامی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس ناپاک طریقِ انتخاب کی جڑ کاٹ دی جائے۔ جماعت اسلامی نہ اپنے پارٹی ٹکٹ پر آدمی کھڑے کریگی نہ اپنے ارکان کو آزاد امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہونے کی اجازت دیگی نہ کسی ایسے شخص کی تائید کرے گی جو خود امیدوار ہو۔ اور اپنے لئے ووٹ حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ خواہ انفرادی طور پر یا کسی پارٹی ٹکٹ پر۔ یہی نہیں بلکہ جماعت اپنی انتخابی جدوجہد میں خاص طور پر یہ بات عوام الناس کے ذہن نشین کرے گی کہ امیدوار بن کر اٹھنا اور اپنے حق میں ووٹ مانگنا آدمی کے غیر صالح اور نااہل ہونے کی پہلی اور کھلی ہوئی علامت ہے۔ ایسا آدمی جب کبھی اور جہاں کہیں سامنے آئے لوگوں کو فوراً سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ ایک خطرناک شخص ہے۔ اس کو ووٹ دینا اپنے حق میں کانٹے بونا ہے۔

(بحوالہ جماعت اسلامی کی انتخابی جدوجہد "المنبر" لائل پور، ستمبر ۶۳ء)

اس کے بعد جب انہیں اس کا کچھ یقین ہو گیا کہ ۱۹۵۶ء کے دستور کے تابع ہونے والے انتخابات میں ان کی کامیابی کے امکانات ہیں تو انہوں نے اعلان فرمایا کہ

ناجائز جائز قرار پا گیا جماعت اسلامی نے ۱۹۵۱-۵۰ء کے انتخابات کے موقع پر ایک پالیسی کا اعلان کیا تھا اور وہ یہ تھی کہ اُمیدواری چونکہ اسلام میں ناجائز ہے اس لئے ہم نہ خود امیدوار بن کر کھڑے ہوں گے اور نہ کسی

امیدوار کو ووٹ دیں گے۔ بعد میں تجربات سے ہم کو معلوم ہوا کہ ہم ابھی اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ ہر ضمنی اور عام انتخابات میں پورے ملک کی ہر نشست کے لئے اپنے معیار مطلوب کے مطابق موزوں امیدوار کھڑے کر سکیں۔ اس بنا پر ہم نے سابقہ پالیسی میں یہ تغیر کیا کہ ہم خود تو امیدوار بن کر کھڑے ہونے سے بدستور مجتنب رہیں گے لیکن فاسد عناصر کے شر کو دفع کرنے اور ان کے مقابلے میں نسبتہً صالح اور اسلامی نظام کے حامی عناصر کو آگے بڑھانے کے لئے جن اُمیدواروں کی تائید ناگزیر محسوس ہوگی انہیں ووٹ دیں گے بھی اور دلوائیں گے بھی۔"

(ترجمان القرآن بابت مئی ۱۹۵۸ء صـ۱۲۳)

آپ نے غور فرمایا کہ مودودی صاحب کا یہ اعلان اس سے پہلے فیصلے سے یکسر متضاد ہے۔ لیکن یہ صاحب تو "مزاج شناس رسول" ہیں۔ اس لئے ان کی کوئی بات بھی دین کے خلاف نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اس نئے اعلان کے ساتھ ہی انہوں نے فرمایا۔

ہر معقول آدمی بیک نظر محسوس کر لے گا کہ ہماری یہ نئی پالیسی ٹھیک ٹھیک دینی نظام کے مطابق ہے۔ اور اس میں دراصل کوئی اصول شکنی نہیں کی گئی۔ (ترجمان القرآن۔ مئی ۱۹۵۸ء)

جی بالکل نہیں۔ آپ کی ہر بات دینی نظام کے ٹھیک ٹھیک مطابق ہوتی ہے۔ اور آپ کبھی اصول شکنی نہیں کرتے

اس کے بعد سوال سامنے آیا کہ کیا آنے والے انتخابات میں جماعت اسلامی کسی اور پارٹی کے امیدواروں کی بھی حمایت کریگی۔ کیونکہ ان کا فیصلہ یہ تھا کہ امیدوار کا صالح ہونا ضروری ہے۔ اور صالحین صرف ان کی جماعت کے اندر ہیں۔ لیکن گزشتہ اگست میں جب اُن سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ جماعت اسلامی ان امیدواروں کی حمایت کرے گی

جن کا کردار اور چلن ماضی میں بے داغ رہا ہو۔ اور جو اسلامی نظریہ کے لئے کام کرے۔

(بحوالہ امروز ۲۰۔ اگست ۱۹۶۳ء)

لیکن جب ان سے پوچھا گیا کہ اگر کنونشن مسلم لیگ کا کوئی امیدوار جماعت اسلامی کے معیار پر پورا اترتا ہو تو کیا یہ جماعت اس کی حمایت کرے گی۔ تو انہوں نے کہا کہ

کنونشن لیگ کا فرشتہ بھی غلط

"اگر کنونشن مسلم لیگ کسی فرشتے کو بھی اُمیدوار کھڑا کرے تو جماعت اس کی حمایت نہیں کریگی کیونکہ ہمیں اس کے اصولوں سے اتفاق نہیں۔" (ایضاً)

اور اس کے بالمقابل یہ بھی فرمایا کہ

لیکن ہندو کی حمایت جائز

"اگر ایک ہندو جمہوری نظام کی حمایت کرتا ہے تو اسے میری تائید حاصل ہوگی اس لئے

کہ اس نے یہ اصول تو تسلیم کر لیا کہ ملک کا نظام اکثریت کے نظریے کے مطابق ہونا چاہیئے"

(ایضاً)

آپ نے غور فرمایا کہ ایک ہی سانس میں دین کے کیسے عظیم نکات بیان کئے گئے ہیں۔ یعنی

(۱) جماعت اسلامی صرف صالح امیدواروں کی حمایت کرے گی۔

(۲) کنونشن مسلم لیگ کا امیدوار کوئی فرشتہ بھی ہوگا تو جماعت اسلامی اس کی مخالفت کرے گی کیونکہ وہ تو صالح ہو نہیں سکتا ـــــ اور

(۳) اگر ایک ہندو جمہوری نظام کی حمایت کرے گا تو جماعت اسلامی اس کی تائید کرے گی اس لئے کہ اس کے صالح ہونے میں شک وشبہ ہی نہیں ہو سکتا۔

(۴) اور اس ہندو کی حمایت اس جمہوری نظام کی تائید کے صلے میں ہوگی جسے مودودی صاحب تشکیل پاکستان سے پہلے نوعِ انسانی کے لئے بدترین لعنت قرار دیا کرتے تھے۔

نیز انہوں نے انتخاب کے سلسلے میں اپنی جماعت کا نصب العین یہ بھی بیان کیا تھا کہ

"وہ گمراہ اور آزمائے ہوئے غلط کار لوگوں کے مقابلے میں ان لوگوں کو انتخاب کے لئے قوم کے سامنے لانا چاہتی ہے۔ جو دیندار بھی ہوں اور دیانتدار بھی۔ اور اس کے ساتھ حکومت چلانے کی اہلیت بھی رکھتے ہوں۔ (منشور جماعت اسلامی صـ۱۳)

اب ظاہر ہے کہ اس ہندو سے بڑھ کر دیندار۔ دیانت دار اور حکومت چلانے کی اہلیت کا مالک اور کون ہو سکتا ہے جو اکثریت کے نظام کے مطالبہ میں مودودی صاحب کا ہمنوا ہو۔

مودودی صاحب اب یہ کہہ رہے ہیں کہ ملک میں جمہوریت کی بحالی اور بالغوں کے لئے حق رائے دہندگی کے لئے ملک گیر مہم چلائی جائے گی۔ اس سے عوام کے ذہن میں یہ تصور جاگزین کرانا مقصود ہے کہ موجودہ دستور کے مطابق نہ تو ملک میں جمہوری نظام قائم ہو سکتا ہے اور نہ ہی بالغوں کو رائے دینے کا حق حاصل ہے۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں اور لوگوں کو فریب دینے کے لئے وضع کی گئی ہیں۔ موجودہ آئین کی رُو سے ہر بالغ کو رائے دینے کا حق حاصل ہے۔ اور مجالسِ قوانین ساز انتخابات کے ذریعے وجود میں آتی ہیں۔ اسی کو جمہوریت کہا جاتا ہے۔ جمہوری نظام میں اس کی بھی گنجائش ہوتی ہے کہ مجالسِ قانون ساز یا پریذیڈنٹ کا انتخاب براہ راست ہو اور یہ بھی کہ یہ انتخاب بالواسطہ ہو۔ یہ ہو سکتا ہے کہ آپ ان میں سے کسی ایک طریقے کو زیادہ بہتر خیال کرتے ہوں لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اگر آپ کا پسندیدہ طریقہ اختیار نہ کیا جائے۔

تو آپ دو ہائی مچا دیں کہ ملک میں جمہوریت نہیں رہی۔

نیز موجودہ جمہوری نظام کی رُو سے پارلیمانی طریق بھی اختیار کیا جا سکتا ہے اور صدارتی نظام بھی۔ یہ ہو سکتا ہے کہ آپ ان میں سے ایک طریق کو بہتر تصور کرتے ہوں۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اگر ملک میں دوسرا طریق رائج ہو تو آپ اُسے غیر جمہوری قرار دے دیں۔ آپ کو یہ پورا حق حاصل ہے کہ آپ اپنے پسند کے طریق کے حق میں پروپیگنڈہ کریں۔ اور اسے اختیار کرنے کے لئے جدوجہد بھی کریں۔ لیکن دیانت کا تقاضا یہ نہیں کہ آپ یہ کہتے پھریں کہ جس طریق کو میں پسند کرتا ہوں وہ تو جمہوری ہے اور اس کے خلاف دوسرا طریق ڈکٹیٹرشپ ہے۔ مودودی صاحب یہی کچھ کر رہے ہیں۔

واضح رہے کہ جیسا کہ ہم نے شروع میں لکھا ہے کہ اس وقت ہمارے پیش نظر یہ بحث نہیں کہ ان طریقوں میں سے کون سا طریق بہتر ہے۔ نہ ہی موجودہ دستور کی وکالت یا مدافعت ہمارا مقصود ہے۔ ہم تو اس وقت صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مودودی صاحب جن باتوں کو اس سے پہلے خلاف اسلام قرار دیتے تھے وہ اب کس طرح عین مطابق اسلام قرار دی جا رہی ہیں۔ اور جنہیں اس سے پہلے دین کا تقاضا بتایا جاتا تھا اب وہ کس طرح دین کی ضد بتائی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں سب سے اہم مسئلہ پریذیڈنٹ کے اختیارات کا ہے۔ موجودہ آئین کی رُو سے پریذیڈنٹ کی پوزیشن یہ ہے کہ اگر وہ پارلیمان سے کسی مسئلہ پر اختلاف کرے تو وہ ویٹو کا حق استعمال نہیں کر سکتا۔ اُسے وہ مسئلہ انتخابی ادارہ کے پاس ریفرنیڈم کی شکل میں بھیجنا ہوگا۔ اور ریفرنیڈم کا فیصلہ حرفِ آخر سمجھا جائے گا۔ اگر کسی وقت صدر، مجلس قانون ساز کو برطرف کرے گا تو اسے خود بھی اپنے عہدہ سے دست کش ہونا پڑے گا۔ یہ ہے صدر کی وہ پوزیشن جسے مودودی صاحب ڈکٹیٹرشپ قرار دے کر اس کے خلاف ملک گیر مہم چلانا چاہتے ہیں۔ لیکن ذرا دیکھئے کہ خود مودودی صاحب کے ارشاد کے مطابق، اسلام کی رُو سے صدر مملکت کو کس قسم کے اختیارات حاصل ہونے چاہئیں۔ وہ اپنے پمفلٹ "اسلام کا نظریہ سیاسی" میں لکھتے ہیں کہ

"جب امیر کو چُن لیا جائے گا تو اس کو سیاہ و سفید کے اختیارات ہوں گے۔ امیر کو مشورہ کے ساتھ کام کرنا ہوگا۔ عموماً مجلس کے فیصلے کثرت رائے سے ہوں گے۔ مگر اسلام تعداد کی کثرت کو حق کا معیار تسلیم نہیں کرتا۔ اسلام کے نزدیک یہ ممکن ہے کہ ایک اکیلے شخص کی رائے پوری مجلس کے مقابلے میں برحق ہو۔ اور اگر ایسا ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ حق کو اس لئے چھوڑ دیا جائے کہ اس کی تائید میں ایک جم غفیر نہیں ہے۔ لہٰذا امیر کو حق ہے

کہ اکثریت کے ساتھ اتفاق کرے یا اقلیت کے ساتھ۔ اور امیر کو یہ بھی حق حاصل ہے کہ پوری مجلس سے اختلاف کر کے اپنی رائے پر فیصلہ کرے۔ (ص۴۵-۴۶)

اس سے بھی واضح تر الفاظ میں وہ ترجمان القرآن کی جون ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں لکھتے ہیں کہ

"امیر مملکت شوریٰ کی اکثریت کے مقابلے میں ویٹو کا استعمال کر سکے گا۔
(ص۲۳)

جماعت اسلامی نے پاکستان کے آئین کے سلسلے میں جو دستوری خاکہ مرتب کیا تھا اس کی دفعہ ۳۶ میں یہ کہا گیا تھا کہ

ویٹو عین اسلام "امیر کو مجلس شوریٰ کی اکثریت کے مقابلہ میں ویٹو کا حق حاصل ہوگا۔

(دو دستوری خاکے۔ ص۲۸)

ان تصریحات سے آپ نے دیکھ لیا کہ مودودی صاحب کے نزدیک صدر مملکت کے لئے ویٹو کا حق عین اسلام کے مطابق ہے۔ لیکن یہ کچھ وقت پہلے کا اسلام تھا۔ ان کے موجودہ اسلام کی رُو سے ویٹو کا تصور تک بھی غیر اسلامی ہے۔ ان کے رسالہ ترجمان القرآن کی نومبر ۱۹۶۳ء کی اشاعت میں ایک صاحب کا سوال اور مودودی صاحب کا جواب شائع ہوا ہے۔ اس کا عنوان ہے۔

صدر ریاست کو ویٹو کا حق

سوال اور جواب ملاحظہ فرمائیے۔

سوال :- کچھ عرصے سے اخبارات کے ذریعہ سے تجاویز پیش کی جا رہی ہیں کہ صدر پاکستان کو خلیفۃ المسلمین یا امیر المومنین کے معزز خطاب سے آراستہ کیا جائے۔ اس تصور میں مزید جان ڈالنے کے لئے یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ صدر کو حق تنسیخ ملنا چاہیئے۔ کیونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جلیل القدر صحابہؓ کے مقابلے میں ویٹو سے کام لیا اور منکرین زکوٰۃ و مدعیان نبوت کی سرکوبی کے لئے جہاد کا حکم دے کر صحابہؓ کی رائے کو رد کر دیا۔ گویا اس دلیل سے شرعی حیثیت کے ساتھ ویٹو جیسے دھاندلی آمیز قانون کو مستحکم فرمایا جا رہا ہے۔

ان حالات کی روشنی میں جناب والا کی خدمت میں چند سوالات پیش کئے جا رہے ہیں۔ امید ہے کہ بہ صراحت جواب سے مطمئن فرمائیں گے۔

(۱) کیا حضرت ابوبکرؓ نے آج کے معنوں میں ویٹو استعمال فرمایا تھا۔ اور

(۲) اگر استعمال فرمایا تھا تو ان کے پاس کوئی شرعی دلیل تھی یا نہیں؟

نئی تاویل

جواب:۔ خلفائے راشدینؓ کی حکومت کے نظام اور آج کل کے صدارتی نظام میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ان دونوں کو ایک چیز صرف وہی لوگ قرار دے سکتے ہیں جو اسلام کی تاریخ سے بالکل ناواقف ہیں۔ میں نے اس فرق پر مفصل بحث اپنی کتاب اسلامی ریاست صفحہ ۲۰۸ — ۲۰۹ پر کی ہے۔ اُسے ملاحظہ فرمالیں۔ اس سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ جس چیز کو خلافت کے نظام میں "ویٹو" کے اختیارات سے تعبیر کیا جا رہا ہے وہ موجودہ زمانے کے دستوری اصطلاح سے بالکل مختلف چیز تھی۔ حضرت ابو بکرؓ کے صرف دو فیصلے ہیں جن کو اس معاملہ میں بنائے استدلال بنایا جاتا ہے۔ ایک جیش اُسامہؓ کا معاملہ۔ دوسرے مرتدین کے خلاف جہاد کا مسئلہ۔ ان دونوں معاملات میں حضرت ابو بکرؓ نے محض اپنی ذاتی رائے پر فیصلہ نہیں کر دیا تھا۔ بلکہ اپنی رائے کے حق میں کتاب و سنت سے استدلال کیا تھا۔ جیش اُسامہ کے معاملہ میں ان کا استدلال یہ تھا کہ جس کام کا فیصلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عہد میں کر چکے تھے اسے حضورؐ کا خلیفہ ہونے کی حیثیت سے انجام دینا میرا فرض ہے۔ میں اسے بدل دینے کے اختیارات نہیں رکھتا۔ مرتدین کے معاملہ میں ان کا استدلال یہ تھا کہ جو شخص یا گروہ بھی نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرتا ہو اور یہ کہے کہ میں نماز تو پڑھوں گا مگر زکوٰۃ ادا نہیں کروں گا۔ وہ مرتد ہے اسے مسلمان کہنا ہی غلط ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کی دلیل قابلِ قبول نہیں ہے جو کہتے ہیں کہ لا الہ الا اللہ کے قائلین پر تم کیسے تلوار اٹھاؤ گے۔ یہی دلائل تھے جن کی بنا پر صحابہ کرامؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے فیصلے کے آگے سر جھکا دیا۔ یہ اگر ویٹو ہے تو کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ کا ویٹو ہے نہ کہ سربراہِ ریاست کا۔

حقیقت میں اسے ویٹو کہنا ہی سرے سے غلط ہے۔ کیونکہ حضرت ابو بکرؓ کے استدلال کو تسلیم کر لینے کے بعد اختلاف کرنے والے صحابہ کرامؓ اس کی صحت کے قائل ہو گئے تھے۔ اور اپنی سابقہ رائے سے انہوں نے رجوع کر لیا تھا۔

(ترجمان القرآن نومبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۶۵)

آپ نے غور فرمایا کہ کل تک جس ویٹو کے حق کو عین مطابق اسلام بتایا جاتا تھا آج اُسے کس طرح دھاندلی

آمیز قانون قرار دیا جا رہا ہے۔ یوں ان کا اسلام ہر مصلحت کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ یہی ہے ان کا وہ میکیاولی اسلام جس کے پیش نظر صدر مملکت کو اپنی یکم دسمبر ۱۹۶۳ء کی ماہانہ نشری تقریر میں اس تلخ حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں کرنا پڑا کہ

"اب ایک، اوروں سے زیادہ مکار شخص، مذہب کا لبادہ اوڑھ کر میدان میں آگیا ہے۔ یہ شخص سیاسی مقاصد کے لئے مذہب کا ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے۔

(بحوالہ "امروز" ۲ر دسمبر ۱۹۶۳ء)

مودودی صاحب کا جوابِ دعویٰ

ہم یہاں تک لکھ چکے تھے کہ ترجمان القرآن کا دسمبر ۱۹۶۳ء کا شمارہ موصول ہوا۔ اس کے اشارات ان الزامات کے جواب کے لئے وقف کئے گئے ہیں جو مودودی صاحب کے خلاف آج کل عائد کئے جا رہے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان جوابات کا بھی سرسری جائزہ لے لیا جائے۔ اور جس چالبازی سے لوگوں کو دھوکا دینے کی کوشش کی گئی ہے اس کی بھی نقاب کشائی کر دی جائے۔

ایک نیا فریب

آپ کو یاد ہوگا کہ جب وزیر امورِ داخلہ کے بیانات سے ملک کی فضا متاثر ہوئی تو اس کے توڑ کے لئے اس جماعت کی طرف سے کیا حربہ استعمال کیا گیا تھا۔ جماعت اسلامی کے قیمؔ نے یہ بیان دیا تھا کہ

ان بیانات کا مواد ربوہ میں تیار کیا گیا تھا۔

آپ نے غور فرمایا کہ اس ایک لفظ سے جماعت اسلامی، لوگوں کے ذہن کا رُخ اپنی طرف سے ہٹا کر کس سمت کو پھیرنے کی کوشش میں تھی۔ اسی حربے کا اعادہ ان اشارات میں بھی کیا گیا ہے۔ ان میں کہا یہ گیا ہے کہ مودودی صاحب کی جن تحریروں سے ان کے خلاف یہ الزامات عائد کئے جا رہے ہیں۔

"ان کا یہ مطلب اب تک صرف دو گروہوں نے اخذ کیا ہے۔ ایک قادیانی، دوسرے منکرینِ حدیث۔ اس پر "الفضل" اور "طلوعِ اسلام" کے صفحات شاہد ہیں۔ اور ہر شخص جانتا ہے کہ یہ دونوں گروہ مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کی عداوت میں کس قدر اندھے ہو چکے ہیں۔"

(صفحہ ۵)

قرآن کریم نے "خنّاس" ذہنیت کی روباہ بازی کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

اَلَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ (۱۱۴)

یعنی وہ لوگوں کے دلوں میں وسوسے پیدا کرتی ہے اور یہی "اس" کا شر ہے جس سے پناہ مانگنے کی تاکید قرآن کریم نے کی ہے۔ آپ ان الفاظ پر ایک دفعہ پھر غور کیجئے کہ "ہر شخص جانتا ہے کہ اس عداوت کی اصل وجہ کیا ہے؟" یعنی یہ خود نہیں بتاتے کہ اس عداوت کی اصل وجہ کیا ہے؛ بس اتنا لکھ کر لوگوں کے دلوں میں ہر قسم کے وسوسے پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ "الفضل" کا تو ہمیں علم نہیں، طلوع اسلام نے اس جماعت کی مخالفت کا آغاز ۱۹۴۰ء میں کیا تھا جب یہ بتایا تھا کہ مودودی صاحب قیادت کی ہوس میں، پاکستان کی مخالفت سے مسلمانوں کو کس تباہی کے جہنم کی طرف دھکیل کر لے جانا چاہتے ہیں۔ تشکیل پاکستان کے بعد طلوع اسلام نے قوم کو مسلسل آگاہ کیا کہ مودودی صاحب کے عزائم قوم کے لئے کس قدر خطرناک اور تباہ کن ہیں۔ اگر مودودی صاحب میں جرأت ہے تو وہ ذرا مردانہ وار سامنے آئیں اور بتائیں کہ طلوع اسلام جو شروع سے ان کی مخالفت کرتا چلا آرہا ہے تو اس کی اصلی وجہ کیا ہے۔ ضمناً یہ چیز بھی کس قدر مضحکہ خیز ہے کہ طلوع اسلام کو وہ شخص منکرِ حدیث کہہ رہا ہے جسے خود مختلف فرقوں کے علماء نہ صرف منکرِ حدیث بلکہ مرتد اور کافر قرار دے چکے ہیں۔

حکومت پہ بزور قبضہ

اشارات میں کہا گیا ہے کہ جو الزامات مودودی صاحب کے خلاف لگائے جاتے ہیں ان میں سرِ فہرست

طاقت کے ذریعہ اقتدار کی تبدیلی۔

کا الزام نظر آئے گا۔ اس کے بعد لکھا ہے —

وہ شخص جس نے مولانا مودودی کی تحریروں کا سرسری مطالعہ بھی کیا ہے یا جو ان کے طرزِ فکر سے بالکل سرسری واقفیت بھی رکھتا ہے، وہ جانتا ہے کہ یہ چیز مولانا کے مزاج سے قطعاً کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ انہوں نے سیاسی تبدیلی کے لئے قوت و طاقت کے استعمال کی ہمیشہ مذمت کی ہے۔ (ص۱۱)

ہم پوچھنا یہ چاہتے ہیں کہ کیا مودودی صاحب نے یہ کہا ہے یا نہیں کہ

"اب تم روئے زمین پر خدا کے سب سے زیادہ صالح بندے ہو لہٰذا آگے بڑھو اور لڑ کر خدا کے باغیوں کو حکومت سے بے دخل کر دو اور حکمرانی کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لو۔"

(خطبات۔ ص۲۳۵)

اور کیا یہ تلقین بھی جماعت اسلامی کے لٹریچر میں موجود ہے یا نہیں؟

جب صالحین کا گروہ منظم ہو۔ اہلِ ملک کی عظیم اکثریت ان کے ساتھ ہو۔ یا کم از کم اس بات کا ظن غالب ہو کہ عملی جدوجہد شروع ہوتے ہی اکثریت ان کا ساتھ دے گی اور کسی بڑی تباہی اور خونریزی کے بعد مفسدین کے اقتدار کو ہٹا کر صالحین کا اقتدار قائم کیا جا سکے گا۔ اس صورت میں بلاشبہ صالحین کی جماعت کو نہ صرف حق حاصل ہے بلکہ ان کے اوپر یہ شرعی فرض ہے کہ وہ اپنی طاقت منظم کر کے ملک کے اندر بزورِ شمشیر انقلاب پیدا کر دیں۔ اور حکومت پر قبضہ کر لیں۔

(اسلامی ریاست نمبر۱ ص۴۲)

انوکھی دور اندیشی

اب آگے بڑھئے! ترجمان القرآن کے پیش نظر اشارات میں کہا گیا ہے کہ مودودی صاحب بہت بڑے مدبّر، عاقبت اندیش، دور بین اور قوم کے مربّی اور محسن ہیں۔ جب ہندوستان میں مسلم لیگ، پاکستان کے لئے لڑائی لڑ رہی تھی تو اس کے پیش نظر دو خطرات تھے۔ ایک یہ کہ اگر مسلم لیگ کو اس جنگ میں شکست ہوگئی اور پاکستان نہ بن سکا تو ہندوستان میں مسلمانوں کو سنبھالنے والا کون ہوگا۔ اور اگر اسے کامیابی ہوگئی تو وہ کون لوگ ہوں گے جو پاکستان میں اسلامی حکومت قائم کر سکیں گے۔ یہ دونوں چیزیں مسلم لیگ کے بس میں نہیں تھیں۔ چنانچہ اس نازک وقت میں اس دور اندیش مدبّر نے "پانچ چھ سو مخلص کارکنوں کا ایک مختصر سا گروہ اس غرض کے لئے منظم کیا کہ اگر خدانخواستہ اس جنگ میں مسلم لیگ ناکام ہوگئی تو یہ گروہ مسلمانوں کو سنبھالنے کی خدمت انجام دے سکے۔ اور اس گروہ کو جنگ سے الگ رکھا تاکہ اس کے لئے کام کرنا ممکن ہو" — اور اس کے بعد ارشاد ہے۔

"کیا اس نے یہ اپنی قوم کے ساتھ کوئی بُرائی کی تھی۔ یہ دور اندیشی مذمت کی مستحق ہے یا اعتراف کی؟"

(ص۱۸)

باقی رہا پاکستان میں اسلامی حکومت کا قیام۔ تو اس کے لئے ارشاد ہے کہ

اب اگر اُسی دور اندیش انسان نے یہ وقت آنے سے برسوں پہلے ایک تربیت یافتہ منظم جماعت اس غرض کے لئے تیار کرنی شروع کر دی کہ اسلام سے جب یہ فرار ہونے لگے تو وہ جماعت غلط کار ہاتھوں کو روکنے کے قابل ہو، تو کیا اس نے اپنی قوم اور اپنے دین کے ساتھ یہ کوئی بے وفائی کی تھی؟ (ص۱۸)

یہی تو ہم کہتے ہیں کہ اس محسن کش، احسان ناشناس قوم پر خدا کا عذاب کیوں نہ طاری ہو جس نے اپنے ایسے عظیم محسن کی قدر ناشناسی کی اور نہ تو انہیں ہندوستان میں اپنا قائد اعظم بنایا اور نہ یہاں پاکستان کا پریذیڈنٹ۔

اب آتا ہے وہ الزام کہ مودودی صاحب نے قائد اعظم اور مسلم لیگ کی مخالفت کی تھی اس کا جو جواب ترجمان القرآن میں دیا گیا ہے

مخالفت کی مضحکہ خیز وجہ جواز

اس پر تو آسمان کے فرشتے بھی سر دھنتے ہوں گے جو کچھ کہا گیا ہے اس کا ملخص یہ ہے کہ مسلم لیگ اور قائد اعظمؒ کی مخالفت مودودی صاحب ہی نے نہیں کی خود علامہ اقبالؒ نے بھی کی۔ آپ حیران ہوں گے کہ وہ کیسے؟ یہ بھی سُن لیجئے۔ اس کے لئے انہوں نے ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی کی کتاب "اقبالؒ کے آخری دو سال" کا ایک اقتباس پیش کیا ہے ملاحظہ فرمایئے۔

تحریک عدم تعاون کے زوال کے بعد جب آل انڈیا مسلم لیگ کی نشاۃ ثانیہ کا دور شروع ہوا اور اس دور کا پہلا اجلاس مئی ۱۹۲۴ء میں لاہور کے گلوب تھیٹر میں منعقد ہوا تو ڈاکٹر صاحب کے مکان واقع میکلوڈ روڈ اور گلوب تھیٹر کی دیواریں ساتھ ساتھ تھیں۔ لیکن اس قرب مکانی کے باوجود ڈاکٹر صاحب نے مسلم لیگ کے جلسے میں قدم رکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ دسمبر ۱۹۲۷ء میں جب مسلم لیگ کے دو حصے ہو گئے تو ڈاکٹر صاحب جناحؒ لیگ کے مخالف اور شفیع لیگ کے حامی تھے یہاں تک کہ وہ شفیع لیگ کے سکریٹری بھی بن گئے تھے۔ ۱۹۲۹ء میں جب مسلم لیگ کا زور توڑنے کے لئے آل انڈیا مسلم کانفرنس معرض وجود میں آئی تو ڈاکٹر صاحب اس کانفرنس کے بڑے سرگرم رکن تھے۔ پہلے وہ اس کی مجلس عاملہ کے ممبر اور پھر اس کے صدر بن گئے تھے۔

ڈاکٹر سیف الدین کچلو جو راقم التحریر کے دیرینہ کرم فرما اور دوست ہیں ۲۹-۱۹۲۷ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سکریٹری اور مسٹر جناح کے دست راست تھے، انہوں نے ایک مرتبہ ذکر کیا تھا کہ جب دسمبر ۱۹۲۸ء میں کلکتہ کی آل انڈیا کنونشن نے ان ترمیموں کو بے دردی سے رد کر دیا جو مسٹر جناح نے پیش کی تھیں تو مسلم لیگ کی حالت سخت نازک ہو گئی۔ مسلمانوں کا سواد اعظم مسلم کانفرنس کی قیادت میں آ چکا تھا۔ ادھر کانگریس نے یوں ہمارا دست تعاون جھٹک دیا۔ ان حالات میں میں ڈاکٹر اقبالؒ کی خدمت میں لاہور حاضر ہوا تاکہ مفاہمت کی کوئی صورت پیدا کی جائے۔ ڈاکٹر صاحب نے مسٹر جناحؒ کے سخت نکتہ چینی کی اور فرمایا کہ مسلمانوں کی سیاست میں مسٹر جناح نے جو الجھن پیدا کر دی ہے جب تک وہ اس پر ندامت کا اظہار کر کے آیندہ اس سے کلیۃً مجتنب رہنے کا وعدہ نہ کریں مصالحت نہیں ہو سکتی۔

(ترجمان القرآن دسمبر ۶۳ء صفحہ ۲۰)

یہ رہی علامہ اقبالؒ کی طرف سے مسلم لیگ اور قائد اعظم کی مخالفت۔ اب رہے قائد اعظمؒ تو ان کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ عمر بھر کانگریسی رہے۔ ہندو مسلم اتحاد کے لئے کوششیں کرتے رہے۔ یہ چیزیں پاکستان کی مخالفت نہیں تھی تو اور کیا تھی؟ مودودی صاحب کا جواب آپ نے ملاحظہ فرما لیا۔ اب ایسے لوگوں سے کیا بعید ہے کہ اگر ان سے کہا جائے کہ

تم نے حضور نبی اکرمؐ کی شانِ اقدس میں گستاخی کی ہے تو یہ جواب میں کہہ دیں کہ (معاذ اللہ) (حضرت) عمرؓ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لئے تلوار لے کر آ گئے تھے ہم نے اگر چار باتیں حضورؐ کے خلاف کہہ دیں تو یہ کون سا جرم ہے؟

اعتراض یہ تھا اور ہے، کہ مودودی صاحب نے مطالبۂ پاکستان کی مخالفت کی۔ اس مطالبہ کی علمبردار جماعت (مسلم لیگ) کی مخالفت کی۔ اور اس مطالبہ کو پیش کرنے والے (قائد اعظمؒ) کی مخالفت کی اور پورا زور لگایا کہ یہ مطالبہ پورا نہ ہونے پائے — اور اس اعتراض کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ علامہ اقبالؒ نے بھی تو ۱۹۲۴ء میں مسلم لیگ کی مخالفت کی تھی اور محمد علی جناحؒ بھی تو کبھی کانگریس کا بہت بڑا لیڈر تھا۔ میں نے مسلم لیگ اور قائد اعظم کی مخالفت کی تو کون سا انوکھا کام کیا جس کی وجہ سے مجھے موردِ الزام ٹھہرایا جا رہا ہے؟

یہ طبیبِ مُشفق؟

اب ان کے جواب کا آخری حصہ ملاحظہ فرمایئے! لکھتے ہیں۔

مصلحین اور رہنمایانِ قوم کی حیثیت اطبا کی سی ہوتی ہے جس طرح ایک طبیب ایک مریض کے مزاج اور دیگر احوال کو سامنے رکھ کر مختلف اوقات میں اس کے لئے مختلف دوائیں تجویز کرتا ہے بالکل اسی طرح قوم کے خادم بھی اُس کے احوال کے مطابق اصلاحِ حال کی کوششوں میں تغیر و تبدل کرتے رہتے ہیں۔ اس تبدیلی کے متعلق آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کی تہ میں مریض کو مار ڈالنے کا جذبہ کام کر رہا تھا۔ اسی طرح ایک ہی مریض کے لئے بسا اوقات دو مختلف طبیب مختلف علاج تجویز کرتے ہیں اور مریض بیک وقت ایک ہی طبیب سے علاج کرا سکتا ہے؟ اب اگر ایک طبیب کے علاج سے مریض کو ایک حد تک افاقہ ہو جائے تو کوئی عقلمند یہ نہیں کہہ سکتا کہ دوسرا طبیب اس مریض کا دشمن تھا۔ اور آیندہ وہ کبھی اس مریض کے قریب نہ پھٹکنے پائے۔ اس طرح کی باتیں یا تو احمق لوگ کیا کرتے ہیں یا پھر وہ پیشہ ور لوگ جو اپنی پریکٹس کی اجارہ داری چاہتے ہوں۔ اور جن کے پیشِ نظر یہ بات ہو کہ مریض چاہے جئے یا مرے مگر ان کے مطب سے باہر نہ جانے پائے۔

(ترجمان القرآن دسمبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۲۲)

اسی دلیل کو ذرا آگے بڑھایئے۔ تقسیم سے پہلے مسلمانوں کے مرض کا علاج تین طبیب کر رہے تھے (۱) نیشنلسٹ مسلمان (۲) قائد اعظم اور (۳) مودودی صاحب (اپنے موجودہ دعوے کے مطابق) پہلے دونوں کا بھی یہ دعویٰ تھا کہ وہ مخلص طبیب ہیں اور مریض کی صحت کے متمنی۔ لیکن مودودی صاحب کی کیفیت یہ تھی کہ وہ ان دونوں طبیبوں کو بیچ بازار کھڑے ہو کر گالیاں دیتے تھے اور مریض کو ہر ممکن طریق سے روکتے تھے کہ ان کے مطب میں نہ جانا۔ یہ تمہارے دشمن ہیں۔ سوال یہ ہے کہ (خود مودودی صاحب کی اپنی دلیل کے مطابق) انہیں اس کا کیا حق پہنچتا تھا؟

اور اگر (شفا ہو جانے یا ترجمان القرآن کے الفاظ میں ـــ ایک حد تک افاقہ ہو جانے کے بعد) مریض یہ کہے کہ مجھے تو اسی طبیب پر اعتماد ہے جس کے ہاتھوں میرے مرض میں افاقہ ہوا تو اس کے سر پر تلوار کیوں رکھ دی جائے کہ نہیں، بہتیں اسی طبیب کی طرف آنا ہو گا جسے خود اعتراف ہے کہ اس کا تجویز کردہ نسخہ صحیح نہیں تھا۔

اور آخر میں ہم اسی دلیل کے منطقی نتیجہ تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ اگر آج پاکستان میں کوئی تحریک یہ دعوے لے کر اٹھے کہ مسلمانوں کی جداگانہ مملکت ایک غلط اقدام تھا۔ ان دونوں ملکوں کو پھر سے ایک ہو جانا چاہیئے اور اس تحریک کا داعی کھبے میں کھڑا ہو کر قرآن سر پر رکھ کر یہ کہے کہ حاشا وکلا میرا اس میں کوئی ذاتی مفاد نہیں۔ میں یہ سب کچھ مسلمانوں کی بہتری کے لئے کر رہا ہوں ـــ حتیٰ کہ اگر یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اسے اس مقصد کے لئے کسی بیرونی ملک سے امداد مل رہی ہے تو وہ کہے کہ یہ ٹھیک ہے۔ جس چیز کو میں مسلمانوں کی بہتری خیال کرتا ہوں اس کے لئے اگر کہیں سے امداد بھی لے لی جائے تو اس میں کیا حرج ہے ـــ تو (ترجمان القرآن کی دلیل کے مطابق) نہ مسلمانانِ پاکستان کو اس کا حق ہونا چاہیئے کہ وہ اس شخص کو ملک کا غدار قرار دے اور نہ حکومتِ پاکستان کو اس کا کوئی حق کہ وہ ان سرگرمیوں کی روک تھام کے لئے کوئی قدم اٹھائے۔

یہ ہیں مودودی صاحب، اور یہ ہے ان کی سیاست۔ اس سے آپ خود اندازہ لگا لیجئے کہ کیا یہ اسلامی سیاست ہے جس میں ہر فیصلہ ایک اٹل اصول کے تابع ہوتا ہے، یا میکیاولی سیاست جس میں مصلحتوں کے ماتحت فیصلے بدلتے رہتے ہیں۔ ہندوستان میں جب مسلمانوں کی اکثریت قائد اعظمؒ کے ساتھ تھی تو مودودی صاحب کے اسلام کی رُو سے اکثریت کا فرانہ حکومت قائم کرنے کا ذریعہ تھی اور اب اسی اکثریت کی رُو سے جو حکومت مودودی صاحب قائم کرنا چاہتے ہیں وہ عین اسلامی ہو گی۔ وہاں جب مسلم لیگ کی تنظیم کی جا رہی تھی تو مودودی صاحب کے نزدیک مسلمانوں کی الگ پارٹی بنانا خلافِ اسلام تھا۔ اور اب پارٹیوں کا وجود عین مطابق اسلام ہے۔ جب خود انتخابات میں حصہ نہیں لینا تھا تو اُمیدوار کھڑے کرنا خدا اور رسول کے فیصلوں کے خلاف تھا اور اب انتخاب لڑنا منشائے خدا اور رسول کے عین مطابق ہے۔ اُس وقت پارلیمان میں پارٹیاں بنانا ممنوع قرار دیا جاتا تھا۔ اب عین تقاضائے شریعت ہے۔ اُس وقت صدر کے لئے ویٹو کا استعمال مطابق اسلام تھا۔ اب صدارتی نظام بھی غیر اسلامی ہے ـــ حتیٰ کہ ان کی شریعت میں جھوٹ بولنا بھی نہ صرف جائز بلکہ واجب ہو جاتا ہے اور رشوت دے کر طلوعِ اسلام کے پتے چوری سے حاصل کرنا عین خدمت اسلام۔

ہم ان سے یہ نہیں کہتے کہ آپ اس قسم کا سیاسی کھیل نہ کھیلیں۔ ہم کہتے صرف یہ ہیں کہ یہ کھیل کھلے بندوں کھیلیں۔ اسلام کا نقاب اوڑھ کر نہ کھیلیں ـــ اور یہی طلوعِ اسلام کی ان سے مخالفت کی وجہ ہے۔

اتحاد پریس نپل روڈ لاہور